غزل

جناب سعادت نظیر

بے ثباتی کا یہ اشارا ہے
زندگی صبح کا ستارا ہے

کیا کہیں؟ حال کیا ہمارا ہے؟
غم نے بے موت ہم کو مارا ہے

لاکھ ہم سے بُرا سہی لیکن
وہ ہمارا ہے، وہ ہمارا ہے

راہِ پُرخار ہیں ترے میں نے
ہر قدم پر تجھے پکارا ہے

دیکھتا ہوں نظر اُٹھا کے جدھر
حُسنِ فطرت کا اک نظارا ہے

چشمِ بینا جو ہو تو اے غافل!
ذرّہ ذرّہ زمیں کا تارا ہے

تم ہی جب ہو گئے ہو بیگانے
کون دنیا میں پھر ہمارا ہے

رسمِ الفت نے کر دیا مجبور
ناگوارا بھی اب گوارا ہے

ساتھ میرا نہ چھوڑئے اُمید!
تیرا لے دے کے اک سہارا ہے

گُل تو گُل ہیں مری نگاہوں میں
خار بھی اس چمن کا پیارا ہے

لوگ جس کو نظیر کہتے ہیں
صیدِ رم خوردہ وہ ہمارا ہے

غزل

جناب شمس نوید

غمِ جہاں کو خوشی بھی نہ سازگار آئی
خزاں کے سائے سے سہمی ہوئی بہار آئی

شبِ فراق گئی، شامِ انتظار آئی
وہ خود تو آ نہ سکے، یاد بار بار آئی

سجی ہر رات کے پردہ میں کسی کی محفلِ ناز
دمِ سحر جو ہوا آئی مشکبار آئی

قبول کر کہ نہ کر۔ یہ یقین دلا دے مگر
سکوتِ شب میں یہاں تک تری پکار آئی

چمن کی پیاس کو شبنم نہ دے سکی تسکین
بہارِ لالہ وگل سوئے خون دار آئی

وہی خرد کہ جسے اپنے "سائے" پر شک تھا
ترے حضور بڑی زود اعتبار آئی

ہوس کو سود و زیاں سے کبھی ملی نہ نجات
کہ خود ہی دام بچھایا تھا خود شکار آئی

بڑی حسین تھی محبت کی فاتحانہ شکست
جو "جانِ دل" کے لئے جانِ دل کو ہار آئی